جناب پروفیسر غلام نبی شارق صاحب

ذِبحٍ عظیم

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن

ہمارے فاضل دوست پروفیسر غلام نبی شارق صاحب ادارہ "الاسلام" کے قدیم قلمی معاونین میں سے ہیں۔ ان کے افکار اور رشحاتِ قلم سے ہمارے قارئین پہلے ہی متعارف ہیں۔ اردو اور عربی دونوں زبانوں پر تحریر و تقریر کے فن سے پوری طرح آشنا ہیں۔ سلفی افکار و نظریات کے پُرجوش مُبلغ ہیں۔ پوری ملتِ سلفیہ کو ان پر ناز ہے۔ ذیل میں ان کا مضمون "ذبح عظیم" ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں جس سے ان کی علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ اور حافظنا فتحی سے دلی وابستگی کا اظہار ہوتا ہے۔ ادارہ اس کرم فرمائی پر ان کا شکر گزار ہے۔

(بشیر انصاری)

علامہ احسان الٰہی ظہیر نے جس راہ کو اختیار کیا۔ وہ اصحابِ عزائم و ہمم کی راہ تھی۔ اس نے دعوت و عزیمت کی پُرخار وادی میں قدم رکھنے سے پہلے اپنے خاکی وجود کو علومِ ظاہرہ و باطنہ، قدیمہ، جدیدہ سے لیس کیا۔ پھر وہ اس میدانِ عزیمت میں اترے۔ اردو و عربی ادب پر عبور، زبان میں روانی، خیالات میں تسلسل، جذبات میں بہاؤ، آواز میں تمکنت۔ لہجہ میں اعتماد و وقار، یہ وہ اعلیٰ صفات تھیں جن کی بنا پر وہ عوام و خواص کے دلوں کی دھڑکنوں کے ترجمان بن جاتے تھے۔ مزید برآں ان کے جسم کی ظاہری صحت و رعنائی بھی ایک مقناطیسی قوت تھی کہ لوگ خود بخود اپنی سمت کا تعین کر لیتے تھے۔ جہاں وہ پتھروں کو شق کرتا تھا وہاں وہ لالہ و گل کو بھی شرفِ ہمکلامی سے نوازتا تھا۔ ؎

بڑی آرزو تھی کہ تجھے گل کے روبرو کرتے
ہم اور بلبلِ بے تاب گفتگو کرتے

درسگاہوں میں محافلِ تعلیم و تدریس کا غلغلہ تو ہے۔ بمثل نخ زمزمہ بین احادیث رسالت مآب صلی اللہ علیہا التحیۃ والسلام کا گرچہ بھی مصروف کار ہے۔ مگر علامہ ظہیر نے جس دروازے کو کھولا وہ مدتوں سے بند پڑا تھا۔ وہ نیند کے متوالوں کو جگانے والا تھا۔ اور چلنے والوں کو دوڑانے والا تھا۔ اس نے مشکل راہ کا انتخاب کیا۔ اور شاید یہ اس کی طبع مشکل پسند کا تقاضا تھا۔ مگر اس نے اس انتخاب و اختیار کے بعد کبھی آبلہ پائی کا شکوہ نہ کیا۔ وہ احوال و ظروف کو اپنے زیر تسلط کرنے کی قدرت و صلاحیت بارگاہ ایزدی سے وافر مقدار میں لے کر آیا تھا اس کی عظمت کی یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ اس کی زندگی میں بھی اس کے بہت سے حریف و رقیب پیدا ہو گئے تھے۔ مگر لیلیٰ مراد سے ہمکنار ہونے کا شرف اسی کا حصہ ٹھہرا۔ اس میں اس کا کوئی شریک و سہیم نہ ہو سکا۔ شہادت حق کی قبائے زعفرانی صرف اسی کے وجود مسعود پر راس آئی۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

کل یدعی وصل لیلی

ولیلی لا تقر بذاک

ع ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

علامہ ظہیر نے بڑے بڑے مجمعوں کو خطاب کیا۔ وہ بحر و بر پر جام توحید لے کر پھرا۔ اور کس ساقی نے ایسی رونقیں لگائیں کہ پیاسوں کا ہجوم ہونے لگا۔ ہاتھوں میں حد نظر تک پیالے ہی پیالے نظر آنے لگے۔ کوثر توحید کے ساقی نے سب کو بھر بھر کر جام پلائے اب کوئی تشنہ لب نظر نہیں آتا جب وہ ساقی اس دنیا سے اٹھا تو کتنے لوگ اسے اپنے سے جدا پا کر تڑپنے لگے۔ ع

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

زمین سے لے کر آسمان تک آہ و فغاں کا شور بلند ہوا۔ قدسیوں نے رب سما سے پوچھا ہوگا۔ کہ زمین پر کیا ہنگامہ ہے؟ انھوں نے اپنے سانس روک کر بارگاہ کبریا سے سنا ہوگا۔ محبوب کائنات آرہا ہے ایک حدیث قدسی میں ہے۔

جب میں (اللہ) کسی سے محبت کرتا ہوں۔ تو اس کی محبت کا اعلان ارض و سما پر کر دیتا ہوں۔ پھر سب اس سے محبت کرتے ہیں۔ علامہ ظہیر نے بھی بارہا عظیم المرتبت لوگوں کے جنازوں میں شرکت کی ہوگی اور ان کی رونقوں کو دیکھا ہوگا۔ اور اس کے دل میں کوئی تمنا تو کروٹ لیتی ہوگی۔ تو اسی وقت یقیناً بارگاہ صمدی سے کوئی مژدہ جانفزا آیا تو ہوگا "میرے خزانوں میں تیرے لیے بھی بڑی رونقیں ہیں"! وہ

محمد عربی کے اولین جان نثاروں میں جا شامل ہوا۔ وہ اسی گروہ کا ایک فرد تھا۔ اور اسی سے جاملا۔ وہ سب خوش ہیں کہ جس کا انتظار تھا وہ آگیا۔ اب علامہ ظہیر اس گروہ میں پہنچ گیا ہے۔ جن کی رفاقت کو وہ اب کبھی نہیں چھوڑے گا۔ قیامت کو اس گروہ کے ساتھ اٹھے گا۔ جن کا کام بھی ایک۔ نام بھی ایک اور منزل بھی ایک اس کی روح بقیع غرقد کی جنت میں بھی آرام سے نہیں بیٹھے گی۔ وہ ہر مسلمان کو دعوت عمل و ایثار دیتی رہے گی۔ جب تک گردشِ لیل و نہار قائم ہے۔ طلوع و غروب آفتاب موجود اور روضۂ اقدس جلوہ گر ہے قبر ظہیر قائم و دائم رہے گی۔

اے اہلِ دنیا! یہ محبوبیت کبریٰ کا مقام ہے!

اِیں سعادت بزورِ بازو نیست!
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!
اے روضۂ اقدس کے ساکنو!
اے بقیع غرقد کے باسیو!
تمہیں تمہاری نیند مبارک ہو!
تمہیں تمہارے بستر مبارک ہوں!

تحریک اسلام کے بانی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"میرا یہ وہ گروہ ہے کہ جس کے کسی ایک فرد نے مٹھی بھر خیرات تو اگران کے بعد میں آنے والا اُحد پہاڑ کے برابر وزن کا سونا بھی اللہ کی راہ میں صدقہ کرے گا۔ تو میرے اس دوست کی ایک مٹھی بھر خیرات کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔"

اولئك خير الخلائق بعد الانبياء۔ رضي الله عنهم ورضوا عنه۔

علامہ ظہیر نے اپنے سفر کو تیز روی سے طے کیا کہ اہل خرد محو حیرت ہیں کہ اتنی طویل مسافت مختصر لمحات میں ختم کردی۔ دنیا کا کونہ کونہ چھان مارا۔ کبھی یورپ کے کلیساؤں میں۔ کبھی افریقہ کے تپتے صحراؤں میں اور کبھی ارض ایشیا میں وہ مئے توحید کا جام لے کر پہنچا۔ ؎

کچھ قمریوں کو یاد ہیں۔ کچھ بلبلوں کو حفظ
عالم میں ٹکڑے ٹکڑے میری داستاں کے ہیں

وہ تحریک اہل حدیث کے دورِ جدید کا بانی تھا جس نے اس تحریک کو سیاستدانوں، ادیبوں، شاعروں

صحافیوں۔ وکیلوں۔ ڈاکٹروں۔ عالموں۔ فاضلوں۔ غرضیکہ زندگی کے ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والوں سے متعارف کرایا۔ اس نے اپنی شخصیت کے جادو سے ہر ایک کو تحریک کی صداقت سے آگاہ کیا۔ وہ ایک ایسے لشکر کا پُرعزم و ہمت سپہ سالار تھا جس کی پیش قدمی کو روکنا کسی کے بس میں نہ تھا۔ وہ اپنے سفر کو جاری رکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس کی رفتار میں ٹھہراؤ نہ تھا۔ اس کی منزل دور تھی۔ اس لیے وہ مسلسل حرکت اور پیہم عمل تھا۔

نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہمنشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

وہ خرمنِ باطل پر بجلی بن کر گرنے والا تھا۔ فرقِ باطلہ کے لیے اس کا وجود موت کا پیغام تھا۔ اس کی علمی ہیبت و سطوت سے سب سہمے ہوئے تھے۔ وہ اپنی قوتِ گویائی سے حریف کو گنگ کر دیتا تھا۔ وہ بڑے بڑے مدعیانِ علم و سیاست کو احساسِ کہتری میں مبتلا کر دیتا تھا۔ وہ اپنے اپنے میدان میں خواہ کتنے ہی طویل کیوں نہ ہوں۔ مگر اس کے روبرو وہ پست قامت نظر آتے تھے۔ وہ اپنی راہوں کا خود موجد تھا۔ اور خود ہی اپنی راہ کو متعین کرنے والا تھا۔ اس نے کبھی کسی کے نقشِ پا کی تلاش نہ کی۔

ہم نہ پیر دی قیس نہ فرہاد کریں گے
ہم طرزِ جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

بہت لوگوں نے اس کے ساتھ سفر کا آغاز کیا۔ مگر وہ راہ کی مشکلات سے گھبرا کر بیٹھ گئے۔ اور وہ دیوانہ مصروفِ سفر رہا۔ منزل کو پانے والا ایک ہی ٹھہرا۔ اور صرف وہی فاتح اقلیمِ دعوت و عزیمت تھا۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

علامہ ظہیر کی شان کا ترجمان کسی عرب شاعر کا یہ شعر بھی بن سکتا ہے۔

في المهد ينطق عن سعادة جده
اثر النجابة ساطع البرهان

وہ ماں کی گود میں ہی اپنے نصیب کی فیروز مندی کا پتہ دے چکا تھا۔ اور اپنی خاندانی عظمت کے روشن نشان پیدا کر چکا تھا۔

عراق کے رہنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لختِ جگر اسماعیل کی دہلی کے رہنے والے عبدالغنی نے اپنے جگر گوشہ اسماعیل کی اور سیالکوٹ کے باسی ظہور الٰہی نے اپنے نورِ چشم ظہیر کی قربانی بارگاہ رب السموٰت والارض میں پیش کی۔ کس قدر یہ قربانیاں حسین

وجمیل اور صحت مند نہیں۔ لاعیب فی تلک الضحایا۔

اللہ کی راہ میں قربانی پیش کرو تو اچھی سے اچھی ہو۔ اس میں کوئی عیب اور داغ نہ ہو۔ مسلمۃ لاشیۃ فیھا۔

شاہی مسجد کے منارہ شہدائے اہل حدیث خدا کے سچے عاشقوں کی تڑپتی لاشوں کے نشانے تکبر نفس کو دیدہ حیرت سے دیکھتے رہے۔ اور زبان حال سے گویا ہوئے۔ اے شہدائے حق تمہاری وجہ سے ہماری آبرو ہے۔ یہ بلند و بالا انشانات تمہاری قربانیوں کے مرہون ہیں مسجدوں سے فضا میں اٹھنے والی بلالی صدائیں۔ تمہاری ہی نامہ بر ہیں۔ ہمارا تم پر سلام ہے اتم نے اللہ کی راہ میں تڑپنے کی لذت پائی ہے۔ تمہارے آقا کو تمہاری یہ ادا بہت پسند آئی ہے۔ تم نے فنا ہو کر بقا پائی ہے۔ تم اس عمل شہادت کی لذت سے بار بار لطف اندوز ہونا چاہتے ہو اتمہیں کسی پہلو پر بھی چین نہیں۔ امت کے والی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ شہید دنیا میں پھر واپس آنے کے لیے تڑپتا ہے۔ اور اپنے خالق و مالک کے حضور فریاد کرتا ہے۔ اے خداوند! مجھے دنیا میں پھر واپس لٹا تاکہ میں تیری راہ میں اپنے وجود کی قربانی دوں اور پھر تڑپنے کی لذت پاؤں۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

اب کس سے تعزیت کی جائے ——— ہر اہلحدیث قابل تعزیت ہے

آج کس کا غم کم کیا جائے ——— ہر اہل حدیث غمزدہ ہے

آج کس کے ہاں ماتم کیا جائے ——— ہر جگہ ماتم کدہ ہے

آج کس کا نالہ و شیون کیا جائے ——— ہر کوئی مصروف آہ و بکا ہے

اے اہل حدیث! ——— اپنی اپنے دل سے تعزیت کر!

اے اہل حدیث! ——— اپنے درد کا خود درماں بن جا!

اے اہل حدیث! ——— رونے سے اپنے خلوت کدہ کو آباد کر!

اے اہل حدیث! ——— خود ہی تڑپ کر اپنی روح کو تسکین دے!

حافظ فتح محمد معروف بہ حافظ فتحی

میں چاہتا ہوں کہ علامہ ظہیر کے تذکرے میں حافظ فتحی مرحوم کا ذکر بھی شامل کرتا جاؤں۔ آپ کے حصے میں

جنت البقیع آئی اور دوسرے کو جنت المعلیٰ۔ دونوں قسمت کے دھنی تھے۔ ظہیر کی ماں نے تو کہا کہ میرے بیٹے کو شروع سے ہی مدینہ کی گلیوں سے محبت تھی اور حافظ فتحی نے اپنی تقدیر اپنے ہاتھوں سے لکھ کر شہر مکہ کو اپنا مقدر اور مسکن بنا لیا۔ سلام اللہ وبرکاتہ علی ساکنیہا مادامت السموات والارض

میرے عظیم، مخلص، شائستہ باشد دوست اور ہم جماعت حافظ فتحی (نور اللہ مرقدہ) کو اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی مہمانی سے نوازا۔ وہ نزیل مکہ بھی تھا۔ وہ ضیف اللہ فی بیت اللہ بھی تھا۔ وہ جلیس حرم بھی تھا۔ اس کی زندگی کا بڑا حصہ حرم پاک میں بیٹھ کر گزار دیا۔ اس کو بیت اللہ سے اس قدر شدید عشق تھا کہ ہر وقت اس کے چہرے کے سامنے بیت اللہ کی عمارت رہتی تھی۔ حرم میں بیٹھنے کے لیے ایسے ستون کا سہارا لیا کہ ہر وقت بیت اللہ سامنے رہے۔ حافظ فتحی کے گرد ہر وقت ملاقاتیوں کا جمگھٹا رہتا۔ وہ زائرین بیت اللہ کو اپنے علم وفضل کی روشنی میں معلومات سے نوازتے رہتے۔ پاکستانیوں کے علاوہ دوسرے ممالک کے زائرین سے بھی راہ ورسم رکھتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ ایک دفعہ ان کی محفل میں ایک عراقی اہلحدیث عالم بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے کسی عرب زائر نے آکر سوال کیا کہ حالت نماز میں بیت اللہ کی عمارت کو دیکھنا جائز ہے۔ اس عراقی عالم نے برجستہ جواب دیا۔

ولکن تنظر الی صاحب البیت (گھر کو کیا دیکھنا۔ گھر والے کو دیکھو)

حافظ فتحی صاحب اس جواب سے بہت محظوظ ہوئے اور مجھے بھی اس طرف متوجہ کیا۔ پھر اس عالم سے میرا تعارف کرایا۔ اور عراق کے اہل حدیث علماء کا تذکرہ چھڑ گیا۔ بغداد میں اہل حدیث علماء نے فن حدیث پر بہت کام کیا۔ اور اب بھی وہاں بے شمار لوگ پڑھانے میں مصروف ہیں۔ اور یہ سب برکات امام احمد بن حنبل کی ہیں اور متاخرین میں خطیب بغدادی کی کاوشوں کے ثمرات ہیں۔ انھوں نے تاریخ بغداد میں محدثین کے کارناموں کو نمایاں کیا ہے جس کی وجہ سے خطیب بغدادی ایک مخصوص گروہ کے دور میں نشانہ بن کر چھپ رہا ہے۔ خیالات کی بھرمار (رشتی النوری والمسلمات) میرے عنان قلم کو دوسری جانب موڑ رہی ہے۔

غالباً ۱۹۶۶ء کا واقعہ ہے۔ کہ حافظ فتحی صاحب پاکستان تشریف لائے۔ اور میری تلاش میں سرگرداں رہے۔ انھوں نے متعدد لوگوں سے میرے بارے میں دریافت کیا۔ مگر انہیں میرا کوئی اتہ پتہ نہ مل سکا۔ دوران جستجو وہ شہر گوجرانوالہ بھی گئے۔ یہ دراصل غیبی کارسازی بھی ملاحظہ ہو۔ مجھے بھی گوجرانوالہ ہی جانے کا اتفاق ہوا۔ اور میں آبادی حاکم رائے کے ایک کوچے سے گزر رہا تھا۔ شام کا اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ میں عجلت میں تھا کہ نماز مغرب آگے کسی مسجد میں جا کر ادا کر دوں۔ مگر میرے کانوں میں لگاتار ایک آواز آنے لگی۔ اور وہ مجھے یوں محسوس ہو رہی تھی کہ یہ آواز میرے دوست حافظ فتحی کی ہے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تو کچھ لوگ ایک عمارت سے باہر آ رہے تھے۔ دیکھا تو

مسجد ہے۔ اندر گیا تو حافظ فتحی صاحب صحن مسجد میں نمازیوں کے جھرمٹ میں خراماں خراماں چل رہے ہیں۔ فوراً معانقہ کیا۔ اور سلام کیا۔ انھوں نے میرا ہاتھ زور سے دبایا اور کہا او ظالم تیری تلاش میں ہوں۔ بیٹھ جا۔ کچھ باتیں کہنی ہیں۔ گفتگو کا نقطہ ترویج یہی تھا کہ سعودی عرب میں میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ سعودی عرب میں قیام و طعام اور سفر کے جملہ اخراجات میرے ذمہ ہیں حتیٰ کہ سعودی نوبیت کا پروانہ بھی مل سکتا ہے۔ فیصل شہید کے ساتھ اپنے قریبی تعلقات کا ذکر بھی بالتفصیل کیا۔ میں اس تمام گفتگو سے کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ ادھر میرے دماغ میں لیلیٰ ایم۔ اے عربی کا سودا سمایا ہوا تھا۔ میں حافظ صاحب سے معذرت خواہانہ لہجہ میں گویا ہوا "حافظ صاحب ابھی اپنے علمی سفر پہ ہوں۔ اس کی تکمیل کے بعد آپ کے پاس حرم مکی میں حاضر ہو کر شرف زیارت سے فیضیاب ہوں گا اور یہ میرا وعدہ ہے۔ بشرطِ زندگی میں اس کا ایفا کروں گا۔ ان اللہ علی کل شئی قدیر"

میں نے ایم۔ اے عربی کرنے کے بعد ایم۔ اے اسلامیات بھی کر لیا۔ ملازمت بھی مل گئی۔ مگر حافظ فتحی صاحب سے ملاقات کا اشتیاق دل میں کروٹیں لیتا رہا۔ کسی پہلو پر بھی چین نہیں۔ بلکہ میں ان کی رہائش گاہ کا مجھے کوئی علم نہ تھا۔ اتنا سنا تھا کہ وہ حرم میں بیٹھتے ہیں۔ میں نے وارفتگی کے عالم میں ان کی طرف ایک مکتوب لکھا جس پر پتہ لکھا تھا "حافظ فتحی محمد حرم شریف مکہ سعودی عرب" وہاں پر جب تک صندوق البرید کا نمبر نہ لکھا جائے خط مکتوب الیہ تک نہیں پہنچتا۔ مگر حافظ صاحب کے دیوانے اور پروانے محکمہ ڈاک میں بھی تھے۔ انھوں نے اس خط کا جواب لکھا۔ مگر مجھے موصول نہ ہوا۔

پھر غیب کی کارسازیاں دیکھئے کہ حکومت پاکستان نے مجھے ۱۹۸۷ء میں سکالر شپ دے کر عربی زبان کے جدید طریقہ تدریس کی ٹریننگ کے لیے۔ ریاض یونیورسٹی عرب بھیج دیا۔ میری روانگی کے وقت سعودی قونصلر شیخ ناصر الراجحی نے میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ اسی وقت اپنے بڑے بیٹے یوسف الراجحی کو ریاض میں اپنے گھر پر فون کیا۔ اس سے میرا تعارف کرایا۔ وہ مجھے لینے کے لیے ریاض ائیرپورٹ پر میری آمد کے متعین موقع پر پہنچ گیا تھا۔ اور وہ اپنی کار میں مجھے میرے لیے مقرر کردہ ہوسٹل میں چھوڑ گیا۔ اور رخصت ہوتے ہوئے مجھے اپنے دو فون نمبر بھی دے گیا کہ بوقت ضرورت کال کر لینا۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

ریاض پہنچ کر میں نے سب سے پہلے عمرہ کا پروگرام بنایا۔ زیارت بیت اللہ کے علاوہ حافظ فتحی سے ملاقات کا اشتیاق بھی تھا۔ میں اپنے پروفیسر ساتھیوں کے ساتھ ایک جیپ کار جی۔ ایم۔ سی میں نجد و حجاز کے صحراؤں کو قطع کرتا ہوا براستہ طائف مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔ آداب عمرہ سے فارغ ہو کر پہلی ہی فرصت میں حافظ فتحی صاحب کی تلاش کی اور میں نے ان کو اس حالت میں پایا کہ حجر اسود کے بالکل سامنے ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ علیک سلیک ہوئی فوراً پہچان گئے۔ اور کہا غلام نبی! تیری آواز اور گفتگو ویسی ہی ہے جیسے

پہلے تھیں۔ زبان بدل گئی مگر وہ نہیں بدلا۔ پھر وہ مزاحیہ انداز میں پرانی یادوں کو تازہ کرنے لگے۔ اپنے اساتذہ بہ سمیر محمد یعقوب جہلمی۔ مولانا محمد یعقوب ملوی۔ مولانا عبدالصمد رؤف اور مولانا محمد صادق خلیل کا ذکر کرتے رہے۔ میرے ساتھ اپنی طالب علمی کے دور کے واقعات کو دہراتے رہے۔ ہمارے ایک ہم جماعت مولانا عبدالمجید سنانوی مرحوم (دیسی) کا ذکر چھیڑ دیا۔ غرضیکہ دارالعلوم اور دانوالہ میں جو ہم نے دور طالب علمی گزارا تھا۔ اس سے ہمیں علمی اور فکری پختگی حاصل ہوئی۔ ایک طرف ہم دواوین حدیث اور صحائف فن و ادب سے اکتساب علوم و معارف کرتے تھے۔ اور دوسری طرف ہمارے سامنے سرچشمۂ برکات و فیوض حضرت صوفی محمد عبداللہ کی ذات گرامی تھی۔ حضرت صوفی صاحب کا ذکر بڑے جذب و کیف سے کرتے رہے۔ ان کی حج کے لیے مکہ میں آمد اور اپنی خدمات کو تفصیل سے بیان کیا۔

مکہ میں اقامت کے دوران انھوں نے میری خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ چند دن ان کی رہائش گاہ پر بھی رہا۔ کئی علمی کتابوں سے نوازا۔ عبداللہ بن حمید (قاضی القضاۃ و رئیس شؤون الحرمین) کے گھر مجھے لے کر گئے۔ وہاں ان سے میرا تعارف کرایا۔ وہ اس ملاقات سے بہت خوش ہوئے۔ میں نے بسلسلہ تعارف اپنا نام غلام نبی بتایا تو شیخ یک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور زوردار آواز میں مجھ سے مخاطب ہوتے۔ "یا شیخ ھذا اشراك باللہ غیر اسمك"۔ اس واقعہ کے بعد میں نے اپنے لئے ابوالفضل کنیت اختیار کر لی۔ اور پھر اسی کنیت کے حوالے سے اپنے تعارف کا آغاز کرتا۔ مجھ سے ملنے والے عرب مجھے ابوالفضل کہہ کر پکارتے تھے۔

چار مرتبہ مکہ جانے کا اتفاق ہوا۔ اقامت مکہ کے دوران اوقات کا اکثر حصہ حافظ صاحب کے ساتھ گزرتا تھا۔ وہ بے پناہ محبت و خلوص سے پیش آتے۔ وہ نادر الوجود شخصیت اس جہاں سے اٹھ چکی ہے۔ اب اس نے اپنا بسیرا جنت المعلیٰ میں کر لیا ہے۔

سبیل الموت غایۃ کل حیّ
وما نیل الخلود بمستطاع

بقیہ :- بے تیغ سپاہی ....

وقت مل رہے تھے، وہ چاند جو سرزمین پاک سے طلوع ہوا، ارضِ مقدس پر اپنی کرنیں بکھیرتا ہوا ہمیشہ کے لیے وادی طیبہ میں ڈوب گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اصحابؓ رسولؐ کے جلو میں، شہداء صحابہؓ کی صف میں اور استاذ المحدثین عاشق مدینہ امام مالکؒ کے پہلو میں اس مایہ ناز سپوت کو جنت البقیع میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ ع

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔